بحث و نظر

# جماعتِ اسلامی اور سیاستِ پاکستان

۱۔ جناب جاوید انصاری صاحب مدیر معاون یونیورسل میسیج۔ کراچی
۲۔ جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا۔ لندن۔
۳۔ مدیر ترجمان القرآن۔

ماہنامہ عریبیا کے تازہ شمارے (ماہ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء) میں جناب جاوید انصاری نے جماعت اسلامی کی ایک حامیانہ تصویر پیش کی ہے۔ اس پر جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا نے بطور خاص تبصرہ کیا ہے۔ جماعت کو انقلابیت سے ہٹ کر "دعوۃ" کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں مدیر ترجمان القرآن نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کہنا ضروری ہے۔ مجھے اپنی رائے مرتب کر کے مرتب کر کے براہ راست "عریبیا" کو بھجوانی ہے، مگر اس وقت اس کا ترجمان القرآن میں آنا ضروری ہے۔

میری سہولت کے لیے جناب پروفیسر آسی ضیائی رام پوری اور برادر عزیز عبدالہادی احمد دونوں نے متذکرہ مضامین کے اردو تراجم فراہم کر دیے تاکہ رسالے کی تیاری میں تاخیر نہ ہو۔ امید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے لیے دلچسپ ہی نہیں، بہت مفید بھی ہوں گی۔

(ن۔ ص)

## (۱)

### جناب جاوید انصاری مدیر معاون "میسیج" کراچی

گزشتہ برسوں میں جماعتِ اسلامی پاکستان، تنقید و تذلیل کی کئی مہموں کا موضوع رہی ہے۔

اِس مضمون کا مقصد ان نکتہ چینیوں کا جائزہ لینا اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۵ء تک کے کٹھن دَور میں جماعت کی پالیسیوں کا معقول اور متوازن دفاع کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے جس جمہوریت کو چلتا کر دیا تھا اُس کی بحالی کے لیے تحریک میں جماعت پیش پیش تھی۔ مگر اس تحریک میں شامل چند بے صبر عناصر جلد ہی الگ ہو گئے اور فوج کو پاکستان کی قومی سیاسی زندگی پر قبضہ مستحکم کر لینے دیا گیا۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں تحریک میں شامل جماعتوں نے بالعموم فوج سے مفاہمانہ رویّہ اختیار کیے رکھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نئی فوجی انتظامیہ نے وہ خطیبانہ سیاسی نعرہ اپنایا جو بہت دلکش تھا۔ جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی سیاسی نظام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے علامتی اصلاحات اور معاشی پالیسیاں نافذ کیں، جن کا مثبت اثر ہوا، اور انھوں نے جلد ہی نمائندہ حکومت بحال کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

اگست ۱۹۷۸ء میں جو سول انتظامیہ قائم کی گئی اس میں دو مقاصد کے پیش نظر جماعت بھی شامل ہو گئی۔ اوّلاً وہ اس طریق پر حاوی ہو جانا چاہتی تھی جو پارلیمانی جمہوریت کی بحالی پر منتج ہو۔ ثانیاً وہ ایسی قومی پالیسی اور اصلاحات بروئے کار لانا چاہتی تھی جو پاکستان میں اسلامی نظام معاشرت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ نو ماہ کا وہ عرصہ جب جماعت حکومت میں شامل تھی، نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم میں سے جو صاحبان وزارتوں میں آئے وہ جنرل ضیاء اور اس کے فوجی حلیفوں کے اصل عزائم سے باخبر ہو گئے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فوجی حکومت معاشرے کو اسلامی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اُس کا تو مقصد اسلام کو اسی طرح استعمال کرنا تھا جیسے بھٹو سوشلزم کو اور فیلڈ مارشل ایوب خان قومیت کو استعمال کر رہے تھے۔ یوں اسلامی بنانا محض معاشرے کو سیاست سے الگ رکھنے اور فوجی آمریت کو دوام بخشنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جماعت کی وزارتوں نے ۱۹۷۸ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں جو پالیسیاں تجویز کیں اُن کی بڑی اکثریت کو صدر اور اُس کے مشیروں نے مسترد کر دیا۔

۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک جماعت فوجی انتظامیہ کی پالیسیوں کی کڑی مخالف رہی۔ ان پالیسیوں میں کھلے تضادات سے جماعت کی قیادت کو تشویش تھی تاہم بعض رفقاء کی دلیل یہ تھی کہ صدر خود تو ایک مخلص مسلمان ہے مگر سول انتظامیہ اس کی پالیسیوں کو ناکام بنائے دے رہی ہے۔ اس طرح ضرورت تھی کہ جس اسلامی نکتہ کی نمائندگی کا صدر کو دعویٰ تھا اُس کی تائید کی جائے اور ان پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایسے ادارے اور

طریقے وضع کیے جائیں جو نوکر شاہی کو قابو میں رکھیں۔

ارکانِ جماعت کی بھاری اکثریت نے اس حکمتِ عملی کی توثیق کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر ضیاء کو اس سالی قومی استصواب میں جماعت کی حمایت حاصل رہی۔ اس استصواب سے حکومت کے "اسلامیانے" کے لیے کیے جانے والے اقدامات کی توثیق مطلوب تھی۔ مگر استصواب سے کچھ ہی قبل جنرل ضیاء نے ایک ٹیلی وژن نشریے میں کہا کہ اس توثیق کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ انھیں مزید پانچ سال تک پاکستان کے صدر بنے رہنے کا پروانہ مل گیا۔ جماعت جنرل ضیاء کی حمایت پر رضامند ہو گئی، کیونکہ امیر جماعت میاں طفیل محمد سے ایک ملاقات میں صدر نے وعدہ کیا کہ وہ شریعت کو ملک کا بالادست قانون بنائیں گے، ۱۹۷۳ء کا دستور تمام و کمال بحال کر دیں گے اور غیر مشروط طور پر مارشل لا اٹھا لیں گے۔

جماعت کے جو رہنما ۱۹۷۸ء تا ۱۹۷۹ء سول انتظامیہ میں وزیر رہ چکے تھے انھیں صدر کی وعدہ خلافی پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ چھ سال پہلے ہی جان گئے تھے کہ فوجی قیادت، افسر شاہی کے اختیارات گھٹانے یا عوامی نمائندگی کے لیے اسباب پیدا کرنے کا، جس سے افسروں کو قابو میں رکھا جا سکے، کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جماعت حکومت کی نافذ کردہ "نفاذِ اسلام کی اسکیم" کا پول کھول دے اور عوام کو بتا دیا جائے کہ یہ محض پاکستان پر فوجی آمریت جاری رکھنے کا ایک پردہ ہے۔

وسط ۱۹۸۵ء میں جماعت نے فیصلہ کیا کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرے، نیز اس نے اس کے لیے بھی مساعی تیز کر دیں کہ ایک وسیع بنیاد سیاسی پروگرام پر مبنی قومی اتحاد قائم کرے۔ اس پروگرام کے کلیدی عناصر یہ ہیں:

— ۱۹۷۳ء کے دستور کی تمام و کمال بحالی اور پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام۔

— پاکستان کی قومی سالمیت کا تحفظ اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے عطا کردہ چھوٹے صوبوں کے حقوق کی بحالی۔

— جہاد افغانستان کی حمایت جاری رکھنا۔

جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون پر بھی ہدفِ نکتہ چینی بنایا گیا ہے اور اس کی مخالفت کے لیے ایک قومی سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش پر بھی۔ میرا یہ منشا نہیں کہ ان میں سے کسی حکمتِ عملی کا دفاع کروں۔ میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظریۂ سیاسی کے تناظر میں یہ دونوں حکمتیں بالکل جائز ہیں۔ کسی ایک سیاسی تدبیر کا انتخاب سیاسی طور پر مہنگا، بلکہ شاید بہت ہی مہنگا

پڑ سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، جماعت اسلامی کے لیے یہ جائز نہیں۔

ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہوتے ہوئے جماعت سے وقتاً فوقتاً سیاسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ جماعت نے اپنے ارکان اور کارکنوں کی اخلاقی و روحانی تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ کچھ کارکنوں میں دنیا کی طرف میلان پیدا ہو چلا ہے اور اسلامی کام سے اُن کا رویّہ پیشہ وارانہ سا بن گیا ہے۔ اس کا نتیجہ پارٹی ڈسپلن ڈھیلا پڑ جانے اور پاکستانی معاشرے پر جماعت کے کام کا اخلاقی اثر ہلکا ہو جانے کی صورت میں رُونما ہوا ہے۔

ششہ کی تحریک میں جو فوائد حاصل ہوئے تھے، جماعت انہیں اختیار کرنے INSTITUTION-ALISING میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مزید برآں، انتخابی سیاست پر زیادہ توجہ دینے کے باعث سماجی اور تعلیمی کام، جو جماعت نے اپنے نقشے رکھے تھے، اُن کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں عوامی بنیاد قائم کر لینے کے بہت سے مواقع جماعت نے کھو دیے۔ سب سے بڑھ کر یہ امر نقصان دہ ہوا کہ انقلابی نظریے کے فروغ کی طرف ناکافی توجہ دی گئی۔ بہت سے پالیسی اقدامات بیرونی محرکات کے فوری (ADHOC) تقاضوں کے تحت عمل میں آتے۔

جماعت کو شدید خطرے کا سامنا ہے کہ اس کی نگاہوں سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے عمل کا مربوط منظر اوجھل نہ ہو جائے اور وہ اس عمل کو دوسروں کے سامنے آشکارا کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے کوتاہ ثابت ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر عملیت اور تجربیت ہی پارٹی کے بنیادی اُصول بن کر رہ جائیں گے۔

جماعت کو جو ناکامیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے کتنے ہی رفقاء کو مایوسی ہوئی اور کچھ جماعت سے نکل بھی گئے، مگر انہیں پاکستان کی لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی اور پلیٹ فارم تیار کرنے میں ناکامی ہوئی، بلکہ اکثر نے تو یہ کوشش ہی نہیں کی۔ جماعت اسلامی ہی ملک میں وہ تنہا سیاسی اور سماجی قوت ہے جو پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے پائیدار تحریک چلانے کی اہل ہے۔ یہ اس لیے کہ مولانا مودودیؒ کا پیش کردہ انقلابی نظریہ قطعی درست ہے اور آج کی مسلم دنیا میں نظریاتی اور

سماجی حالات میں انتہائی موزوں بیٹھتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے قضیوں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

— نوآبادیاتی استعمار کے تحت مسلم معاشروں میں باقاعدہ طبقہ بندی (FUNCTIONAL DISJUNCTURE) نمایاں ہے جو حکمران گروہ کی سماجی علیحدگی پسندی میں نظر آتا ہے، اور یہ طبقہ اصلاً بیرونی استعمار کی حمایت کے بل پر سیاسی اقتدار پر قابض ہے۔

— ان معاشروں کے اسلامی کردار کی بحالی کا تقاضا ہے کہ ان زبردستی کے سیاسی دھرماتماؤں کو بے دخل اور منتشر کر دیا جائے اور منظم مسلم طاقتوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار مستحکم کر دیا جائے۔

— مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کا واحد پائیدار آلہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہی ہو سکتی ہے۔ ایسی پارٹیاں اپنے سماجی اثرات کو سیاسی اقتدار میں بدل دینے ہی سے غرض رکھیں نہ کہ جزوی اصلاحات سے۔

یہ امر کہ جماعتِ اسلامی ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہے، دو باتوں سے ظاہر ہے۔ قیامِ پاکستان ہی سے یہ جماعت پاکستانی سیاست میں فعال رہی ہے۔ وہ جزوی اصلاحات پر کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنی تمام سرگرمیاں پاکستان میں اسلامی اصولِ سیاست و مدنیت کی تعمیر کے بنیادی کام میں صرف کرتی رہی ہے — ۱۹۴۸ء میں، ۱۹۶۲ء میں، ۱۹۷۱ء میں اور ۱۹۷۷ء میں پاکستان کا اسلامی تشخص منوانے اور جمہوریت بحال کرانے والی تمام قومی تحریکوں میں مرکزی کردار جماعت ہی کا رہا ہے۔ ۱۹۶۲ء سے ایم۔ آر۔ ڈی کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں بحالیٔ جمہوریت کی کوئی قومی تحریک، جماعت کی فعال شرکت کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آج جماعتِ اسلامی ہی پاکستان کی وہ واحد قومی جماعت ہے جو ایسی کوئی قومی تحریک منظم کر سکتی ہے جو عزم و قدا کاری کی عملی طاقت بھی رکھتی ہے اور ایسی قیادت بھی جو ملک کے قومی اور اسلامی مفادات کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینے کی اہل ہے۔

قربانیاں دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنا جماعت کی قیادت کا ہمیشہ سے نمایاں وصف رہا ہے۔ قیادت کے اندر پالیسی کے مسائل پر اختلافات نے جماعت کو ہمیشہ تقویت ہی بخشی ہے۔ گذشتہ سالوں میں میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور کے مابین پالیسی تنازعوں میں اختلافات پر بہت سے ہمدردوں کو تشویش ہوئی۔ بعض مخالفین نے اس پر خوش ہو کر جماعت کی یقینی شکست و ریخت کی پیش گوئیاں بھی کیں۔ مگر جماعت کے اندر ان میں سے کسی رجحان نے بھی مایوسی ظاہر نہ کی۔ میاں طفیل محمد ایک نہایت محبوب امیر ہیں۔ جنہوں نے

ارکان کے لیے بلند اخلاق کا نمونہ قائم کیا ہے اور پروفیسر غفور کی سیاسی بصیرت کا بھی وسیع احترام کیا جاتا ہے۔ اور جماعت کا سیاسی کردار دو بالا کرنے میں اُن کا کام نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جماعت ہمیشہ جمہوری تنظیم پر کام کرتی آئی ہے۔ اور جب تک انفرادی قربانیاں اور اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے رہنے کا عزم باقی رہے گا۔ سیاسی مناظروں میں اختلافات جماعت کی تقویت ہی کا باعث بنتے رہیں گے۔ یہ اختلافات جماعت کی اندرونی زندگی میں جمہوری کردار کے مظہر ہیں۔ ان سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ جماعتی قیادت اختلافی سیاسی پسند و ناپسند سے باخبر ہے اور اپنی قومی حکمت عملی میں لچک کا عنصر شامل کر لینے کی اہل بھی ہے۔

پاکستان کے علمبردارانِ اسلام کو جماعت کے قریب تر آنا چاہیے۔ پاکستان کی قومی سالمیت برقرار رکھنے اور اس کا اسلامی کردار منوانے کے لیے یہ ایک اہم قوت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ماضی میں اس نے سیاسی غلطیاں بھی کی ہوں گی۔ مگر بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، یہ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ماحول کے تغیرات سے ہم آہنگ ہو جانے کی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکی ہے۔ پاکستان کو اسلامی انقلابی خطوط پر چلا کر بدل ڈالنے کا اس کے سوا اور کوئی سیاسی ادارہ موجود نہیں ہے۔ جماعت پاکستان کا مستقبل بنانے میں اہم کردار ادا کیا چاہتی ہے۔ پاکستان کے اسلامی انقلابیوں کا، جو اس جماعت کی حمایت کر کے اور اس کی قیادت کے گرد جمع ہو کر بے یار و مددگار رہ جانے سے بچ سکتے ہیں، یہی قدرتی ملجا و ماویٰ ہے۔ (ترجمہ: پروفیسر آسی ضیائی، رام پوری)

---

(۲)

## جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عربیا، لندن

یہاں میں اپنی اس تحریر کی یاد تازہ کر رہا ہوں جو میں نے ڈاکٹر جاوید کے خط (عربیا جون ۱۹۸۵ء) پر لکھی تھی۔ میں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ مسلم انقلابی (REVOLUTIONARY ISLAMIST) یا اسلامی انقلابی (ISLAMIC REVOLUTIONARY) کی اصطلاح ان لوگوں کو نہیں سمجھتی جو اسلام کے پیغام کو جامعیت اور اس کی امتیازی شان کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا داعیانہ پیغام الٰہی کی حیثیت سے دعوت پر ہے اور اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں: ظالم بھی اور مظلوم بھی۔

وہ ان کے دلوں اور دماغوں کو روشن اور ہر روز دلائل اور مؤثر کردار کے ذریعے خدا کی طرف موڑنا چاہتا ہے:

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔" (النحل ۔ ۱۲۵)

یہاں تک کہ خدا کے رسول موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جو ایک جابر حکمران فرعون کی طرف بھیجے گئے، انہیں بھی ہدایت کی گئی کہ وہ اسے خدا کا پیغام جس قدر ممکن ہو قابل قبول طریقے سے پہنچائیں۔

"جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے" (طٰہٰ ۔ ۴۴-۴۳)

ایمان والوں کو تو اپنا اور اپنے عقیدے کا دفاع کرنا ہی ہے جبکہ اربابِ اقتدار بھی ہمیشہ ان کو دباتے اور ان کے پیغام کو خاموش کرنے کے لئے قوت کا استعمال کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تصادم کی پالیسی سے اسلام کے حق میں بہتر نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ کسی بھی گروہ کو اس وقت تک دشمن تصور کرنا درست نہیں ہوتا جب تک دشمنی ایک ٹھوس حقیقت نہ بن جائے۔ مختلف گروہوں کے متضاد مفادات کا حل بنیادی طور پر ایک خدا پر یقین رکھنے میں ہے۔ اس نوع کے باہمی نزاعات کو حل کرنے کے لئے خدائی تعلیمات و قوانین کی مکمل اطاعت ضروری ہے۔ اگر کوئی صاحبِ ثروت شخص آسائش زندگی کے میسر سامان اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو اسے محض اس بات پر اسلام کا انکار کرنے والا تصور نہیں کر لینا چاہیئے، کیونکہ خدائی پیغام کے اوصاف اور بنی آدم کو خدا کے عطا کردہ روحانی اور علم و دانش پر مبنی کمالات بسا اوقات انقلاب آفرین اور بنیادی تبدیلی کے سبب بن جاتے ہیں۔ دعوت کی حکمتِ عملی میں اہلِ ایمان کو جمع کرنا اور منظم کرنا زیادہ اہم اور فائق ہے۔

"اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اور نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت

پڑی ہوئی تھی، وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔" (حٰم السجدہ ۳۵-۳۴)

"اے نبی، برائی کو اس طریقہ سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ جو کچھ باتیں وہ تم پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔" (المومنون - ۹۶)

یہ عین ممکن ہے کہ اسلامی تحریک کے کچھ لوگ معاشرے کی اساسی تبدیلی کا اسلامی تعلیمات پر مبنی تصور مؤثر، وسیع، قابل عمل اور موزوں انداز میں پیش کرنے سے قاصر رہیں، اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس انقلاب کی وہ ترغیب دلاتے اور تبلیغ کرتے ہوں وہ بانجھ اور بنجر نکلے، اس اندازِ فکر و عمل کی بناء پر عوام اس کے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ یہ میرا پختہ یقین ہے کہ اسلام کے لئے، جو تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا کا پیغام ہے "مستقل انقلاب" کا نعرہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اسلامی تحریک کے لئے موزوں تر لقب "مستقل دعوت" ہے۔ وہ جو معاشرے کی اساسی تبدیلی کے اسلامی پیغام کو پیش کرتی اور اس کی اشاعت کرتی ہے۔ اس کی تشکیل متعدد عوامل سے ہوتی ہے۔ عقل اور اخلاق، انصاف اور امن کی تمام جہتوں میں ـــــ روحانی اور مادی، سماجی اور سیاسی، داخلی اور بین الاقوامی ہر شعبے میں۔

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔" (آل عمران - ۱۰۴)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہلِ کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا (آل عمران - ۱۱۰)

کسی بھی نوع کی نزاعی صورتحال میں عقلی استدلال اور پرامن حل کو ترجیح حاصل ہونی چاہیئے قوت کا استعمال صرف اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب دلیل آزمائی گئی ہو اور ناکام ہو چکی ہو

اور کوئی مخالف قوت مسلسل جارحیت پر تلی ہو۔

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

(الحجرات - ۱۰-۹)

اب جماعت اسلامی چاہے تو ڈاکٹر جاوید کی اپنے بارے میں "ایک انقلابی جماعت" ہونے کی رائے کو قبول کرے یا رد کر دے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی اردو تحریروں میں جو لفظ "انقلاب" استعمال کیا ہے اور جو عربی تراجم میں بھی موجود ہے، معاشرے میں اساسی تغیر پیدا کرنے والے اسباب کی طرف نہیں بلکہ خود اس "بنیادی تغیر" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پیغامِ الٰہی کی حیثیت سے اسلام کا یہ وصف ہے کہ یہ مطلوبہ تبدیلی کو انسان کی باطنی آمادگی (CONVICTION) پر تعمیر کرتا ہے اور یہ طاقتور اور کمزور کو یکساں طور پر مخاطب کرتا ہے اس لیے کہ یہ ہر بنی آدم کے دل و دماغ کو مخاطب کرتا ہے۔ معاشرے میں بنیادی تغیر، ایسے تغیر کی دعوت دینے والی تحریک میں جمہور کی شرکت اور ان کی مادی اور اخلاقی ضروریات کی تکمیل کو صرف انقلابی کے "لیبل" تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔

ہر اسلامی تحریک کو ان مقاصد تک پہنچنے کے لئے ایسا منصوبہ بنانا چاہیئے جس میں موجودہ ماحول اور زمان و مکان کے عملی تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔ یہ اہتمام بھی کر لیا جائے کہ یہ اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں ہو۔ مارکسی نقطۂ نظر سے جو چیز انقلابی معیار کے طور پر متعارف کی جاتی ہے ممکن ہے اسے عملیت (PRAGMATISM) تجربیت (EMPIRICISM) یا اصلاح کاری (REFORMISM) کہہ کر مسترد کر دیا جائے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ لازماً کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں ہے۔ مفکرین اسلام کی یہ نہایت سنجیدہ ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی تبدیلی کے سلسلے